تفسیر سورۃ التین

از

مولوی اکرم علی صاحب محمدی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۔ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۔ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۔ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۔ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۔

اس سورۂ شریف کی ابتدا میں واو قسمیہ ہے۔ قسم کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی جاتی ہے وہ شریف و بزرگ اور جلیل المرتبت ہونی چاہئے۔ اس بنا پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ تین اور زیتون میں کونسا شرف ہے؟ اور اگر شرف ہو بھی تو باری تعالیٰ کا مرتبہ اس سے بلند تر ہے کہ وہ کسی چیز کی قسم کھائے۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ قسم اس وقت کھائی جاتی ہے جب کسی بات کا یقین دلانا مقصود ہو۔ اس بنا پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جو شخص کسی بات کا منکر ہو اس کے سامنے قسم کھانا کچھ مفید نہیں۔ اس کو تو دلیل و برہان سے قائل کیا جا سکتا ہے نہ کہ قسم سے۔

علامہ ابن قیم نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ قرآن مجید میں جتنی قسمیں کھائی گئی ہیں وہ یا تو خود اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی قسمیں ہیں یا اگر مخلوقات کی ہیں تو اس حیثیت سے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور رحمتوں کی نشانیاں ہیں۔ اس سے پہلا شبہ دور کرنا مقصود ہے۔ دوسرے شبہ کو وہ اس طرح دور کرتے ہیں کہ جن چیزوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں وہ خود مقسم علیہ یعنی اللہ کی ذات اور اس کی آیات اور دیگر امور ایمانیہ مثلاً معاد وغیرہ پر دلالت کرتی ہیں۔ امام رازی نے پہلے شبہ کو دور کرنے کے لئے ان چیزوں کا شرف ثابت کرنے

کی کوشش کی ہے جن کی قسمیں قرآن مجید میں کھائی گئی ہیں۔ اور دوسرے شبہ کو وہ یہ کہکر دور کرتے ہیں کہ قسم دراصل مخاطب کو متنبہ کرنے کے لئے کھائی جاتی ہے تاکہ وہ قسم کا لفظ سن کر متوجہ ہو جائے اور سمجھ لے کہ اب جو کچھ کہا جانے والا ہے وہ کوئی بڑی بات ہے۔

لیکن علامہ حمید الدین فراہی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ امعان فی اقسام القرآن میں ثابت کیا ہے کہ قسم کا مقصود استشہاد ہے۔ شرف اور بزرگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کی قسم کھائی ہے وہ دراصل ان امور کی صداقت پر گواہی دیتی ہیں جو قسم کے بعد بیان کئے گئے ہیں۔ یہ اقسام قرآن کی بہترین تاویل ہے جو کی گئی ہے۔ اور اس تاویل کی رو سے پہلی آیت کے معنی یہ ہونگے کہ تین اور زیتون اور طور سینین اور بلد امین گواہ ہیں۔ اس بات پر جو آگے بیان کی جانے والی ہے۔

تین اور زیتون کے معروف معنی انجیر اور زیتون نامی پھلوں کے ہیں۔ ایک گروہ جس میں عکرمہ مجاہد حسن، ابراہیم اور کلبی رحمہم اللہ شامل ہیں، اس طرف گیا ہے کہ آیت مذکور میں تین سے مراد وہی انجیر ہے جس کو ہم کھاتے ہیں اور زیتون سے مراد وہی چیز ہے جس کا ہم تیل نکالتے ہیں۔ ابن جریر طبری، امام رازی اور قاضی بیضاوی وغیرہم نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔ ایک دوسرا گروہ کہتا ہے کہ تین سے مراد مسجد دمشق اور زیتون سے مراد بیت المقدس ہے۔ کعب اور قتادہ اور ابن زید رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں۔ ایک تیسرا گروہ تین کے متعلق کہتا ہے کہ اس سے مراد مسجد نوح علیہ السلام ہے جو کوہ جودی پر تھی۔ اور زیتون سے مراد بیت المقدس ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی قول منقول ہے۔ جن لوگوں نے تین اور زیتون سے معنی معروف مراد لیے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ان دونوں پھلوں کو ان کے فوائد کے لحاظ سے قسم کے لئے انتخاب کیا گیا ہے۔ مگر یہ تاویل تکلف سے خالی نہیں ہے۔ اور تکلف کے باوجود طور سینین اور بلد امین سے معنوی ربط قائم نہیں ہوتا۔ البتہ اگر تین سے مراد منابت تین اور زیتون سے مراد منابت زیتون لئے جائیں تو ایک طرح سے ربط قائم ہو جاتا ہے لیکن طور سینین اور بلد امین کی جس خصوصیت کا لحاظ کر کے ان کی قسم کھائی گئی ہے۔ اس کی رعایت اگر ملحوظ رکھی جائے تو زیادہ بہتر تاویل یہی نظر آتی ہے کہ تین سے مراد

جودی اور زیتون سے مراد بیت المقدس لئے جائیں کیونکہ ان دونوں کو دو بڑے جلیل القدر پیغمبروں (نوحؑ اور عیسیٰ علیہما السلام) کے ساتھ نسبت ہے اور انہی دونوں کا ذکر تورات میں "سعیر" اور "قدس" کے نام سے کیا گیا ہے۔ (۲:۳۳)

طور سینین سے مراد بعض لوگوں نے محض ایسا پہاڑ لیا ہے جس پر درخت ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ طور ہر پہاڑ کو کہتے ہیں اور سینین حبشی زبان میں خوش منظر کے معنی میں آتا ہے۔ عکرمہ، مجاہد اور کلبی نے یہی معنی اختیار کئے ہیں لیکن ابن عباس، ابن زید، کعب، قتادہ اور حسن کہتے ہیں کہ اس سے موسیٰ بن عمران علیہ السلام والا پہاڑ مراد ہے۔ یہی تاویل زیادہ صحیح ہے اور توراۃ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ پروردگار سینا سے آیا (۲:۳۳)

لبد امین سے مراد بالاتفاق مکہ معظمہ ہے جس کے متعلق حضرت ابراہیم نے دعا فرمائی تھی کہ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا، اور جس کے متعلق خود حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا۔ اور جس کے متعلق توراۃ میں آیا ہے کہ خدا فاران سے روشن ہوا (۲:۳۳)۔

پس آیۃ مذکورہ کا ترجمہ یہ ہوا کہ جودی جس پر نوحؑ نے خدا کو یاد کیا، اور بیت المقدس جہاں عیسیٰ نے اپنے رب کی تقدیس کی اور طور جہاں موسیٰ سے خدا نے کلام کیا اور بلد امین جہاں ابراہیم و اسمٰعیل اور محمد علیہم السلام نے شمع حق جلائی، اس بات پر گواہ ہیں۔

وہ بات کیا ہے جس پر یہ چار عظیم الشان تاریخی مقامات گواہی دے رہے ہیں؟ وہ یہ ہے کہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ۔ ہم نے انسان کو بہترین ساخت، بہترین صورت، نہایت معتدل ترکیب کا بنایا اور اس کی خلقت کو ایسا استوار کیا کہ کوئی اور مخلوق اس معاملہ میں اس کے برابر نہ ہوئی۔ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ۔ پھر ہم نے اس بہترین خلقت کے باوجود اس کو مخلوقات کے نیچے سے نیچے درجہ میں پھینک دیا۔ کیوں؟ اس کا جواب بعد کے فقرہ سے مل جاتا ہے۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ۔ مگر اس ذلیل ترین درجہ میں گرنے سے وہ لوگ بچ گئے جنہوں نے ایمان کے ساتھ عمل صالح کئے۔ معلوم ہوا کہ جو لوگ مخلوقات کے سب سے نیچے درجہ میں پھینکے گئے ان کا

یہ انجام اس لئے ہوا کہ انہوں نے اپنے رب کو نہ پہچانا، اور ایمان و عمل صالح سے اعراض کیا۔ دوسری مخلوقات تو انسان سے اسی لئے فروتر نہیں کہ ان کو وہ قوت ہی نہ دی گئی تھی جس سے وہ اپنے رب کو پہچانتیں اور علی وجہ البصیرت اس کی عبادت کرتیں۔ وہ اللہ جل و عز کی تقدیس و تسبیح محض اس بنا پر کرتی تھیں کہ ان کی جبلت ایسی ہی بنائی گئی تھی۔ مگر جب انسان نے معرفت حق کی قابلیت رکھنے کے باوجود اس کا غلط استعمال کیا اور تمام مخلوقات سے بہتر ہونے کے باوجود خدائے بزرگ و برتر کو چھوڑ کر اپنے سے فروتر مخلوقات کو معبود بنایا، پتھروں کے سامنے جھکا، درختوں کی تعظیم کی، جانوروں کو پوجا، دریاؤں کی تقدیس کی، تاروں کا پرستار بنا، روحانی اور خیالی ہستیوں کی عبادت میں مشغول ہو گیا؛ اور ہر اس قوت کے سامنے سر نیاز خم کرنے لگا جو اس کی خدمت کیلئے مسخر کی گئی تھی؛ تو وہ ان سب چیزوں سے زیادہ ذلیل کر دیا گیا جن پر اسے احسن تقویم میں ہونے کے سبب سے فوقیت و برتری حاصل تھی۔ یہی کوہ جودی ہے جس نے اس کو غرق ہوتے اور اس کی مایۂ ناز تہذیب کو اس کے سرمایۂ فخر آلات و ادوات سمیت تباہ ہوتے دیکھا ہے۔ یہی بیت المقدس ہے جس نے اس کو بابل و ایران اور روم و یونان کی فوجوں سے پامال ہوتے، اور ہمیشہ کے لئے ذلت و مسکنت میں مبتلا ہوتے دیکھا ہے۔ یہی طور سینین ہے جس نے اس کی ایک سرکش قوم کو غرقاب ہوتے دیکھا ہے۔ یہی بلد امین ہے جس کے گرد وہ صدیوں تک جانوروں کی سی زندگی بسر کرتا رہا ہے۔ بخلاف اس کے یہی انسان ہے کہ جب وہ ایمان کے نور سے بہرہ ور ہوا اور نیکی کے راستوں پر چلا تو اس کو وہ رفعتیں نصیب ہوئیں جن پر نوح کا جودی اور موسیٰ کا طور، اور عیسیٰ کا بیت المقدس اور ابراہیم و آل ابراہیم کا بلد امین گواہی دے رہا ہے۔ اس کو برکت اور سلامتی کا مژدہ سنایا گیا، اس کو خدا سے ہم کلامی کا شرف بخشا گیا، اسے تمام جہان کی امامت سے سرفراز کیا گیا، اس کو وہ معراج نصیب ہوئی جو کسی کے حصہ میں نہ آئی تھی، اسے وہ اجر دیا گیا جو بے حساب اور غیر منقطع ہے۔ دنیا میں بھی اس کا بول بالا ہوا۔ اس کو عزت نصیب ہوئی اس کا نام چمکا۔ اسی کے دین کا سکہ چلا۔ اسی کی خاک پا کو کروڑوں انسانوں نے عقیدت کے ساتھ سرمۂ چشم بنایا۔ اور آخرت میں بھی وہی اپنے رب کے تقرب، اور اپنے مالک کے جمال کی دید سے بہرہ مند اور غیر فانی نعمتوں

اور لذتوں سے فیض یاب ہوگا۔

مگر یہ کس چیز کا صلہ ہے؟ صرف ایمان کا نہیں۔ صرف عمل صالح کا نہیں۔ ایمان اور عمل صالح دونوں کا۔ اسفل سافلین میں گرنے سے صرف وہی لوگ مستثنیٰ کئے گئے ہیں جو ایمان بھی لائے اور جنہوں نے عمل صالح بھی کئے۔ ایمان بلا عمل ایک روح ہے بے قالب۔ اور عمل بلا ایمان ایک قالب ہے بے روح۔ جس طرح زندگی کے آثار اور احکام روح اور قالب دونوں کے مجموعہ پر مترتب ہوتے ہیں۔ نہ کہ کسی ایک پر، اسی طرح اجر غیر ممنون بھی ایمان اور عمل صالح دونوں کے مجموعہ پر ہی مترتب ہو سکتا ہے نہ کہ کسی ایک پر۔

پھر فرمایا فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّينِ۔ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ۔ یعنی اے انسان کفر و نافرمانی کے یہ نتائج، اور ایمان و عمل صالح کے یہ ثمرات اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد اب کیا چیز ہے جو تجھکو دین کے جھٹلانے پر آمادہ کرتی ہے؟ کیا چیز ہے جس نے تجھے اللہ کی اطاعت سے منہ موڑنے پر اکسایا ہے؟ کس چیز سے دھوکہ کھا کر تو سمجھ رہا ہے کہ تیرے کردار کا کبھی حساب نہ لیا جائے گا۔ اور تجھے اپنے دل اور ہاتھوں کی کمائی کا انجام نہ دیکھنا پڑے گا؟ کیا یہ سب کچھ دیکھ کر بھی تجھے معلوم نہ ہوا کہ خدا سب حاکموں کا حاکم ہے؟

نمونہ کا پرچہ مفت منگائیے

قاسم العلوم

رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ سے نہایت پابندی وقت کے ساتھ جاری ہے۔ اکابر علماء دیوبند کے علمی فیوض و برکات کا مرقع جس میں ہر قسم کے علمی مذہبی مضامین عالیہ شائع ہوتے ہیں حضرت حکیم الامۃ مولانا شاہ اشرف علی صاحب مد فیوضہم کے مستقل مضامین عالیہ کے علاوہ حضرت قاسم العلوم و الخیرات بانی دار العلوم و دیگر اکابرین امت کے نادر و نایاب و غیر مطبوعہ مضامین آپ کو صرف قاسم العلوم ہی میں ملیں گے ہر مسلسل مضمون کے ختم پر اس کی مستقل کتاب آسانی سے مرتب ہو سکتی ہے رسالہ قاسم العلوم ہندوستان کا واحد لاثانی رسالہ ہے جس کا مطالعہ مسلمانوں کے ہر طبقہ کے لئے از حد مفید ہے۔ قیمت سالانہ۔ معاونین خاص۔ عام مسلمانوں سے طلباء مدارس عربیہ سے۔ پتہ جملہ مراسلات کا۔ احقر عتیق احمد صدیقی مدیر الانصار دار العلوم دیوبند۔ (یوپی)